مرثیہ درحال

سرکار وفا

حضرت ابو الفضل العباسؑ

سرچشمۂ تجلّی کون و مکاں ہے علم

(کل بند:۶۱)

❁❁❁

سرچشمۂ تجلیِ کون و مکاں ہے علم   جاری ہے جو ازل سے وہ موجِ رواں ہے علم
دریائے بے کنار ہے اور بے کراں ہے علم   طوفاں ہے وقت ساحلِ امن واماں ہے علم
ساحل سے اس کے ابر جو اٹھ کر برستے ہیں
ہر دامنِ حیات پہ گوہر برستے ہیں

انسانیت کا باغ اسی سے ہے پُر بہار   اثمار فیض بخش کا اس کے نہیں شمار
قولِ رسولِ حق سے یہ ہوتا ہے آشکار   ہے علم ہی پہ فصلِ سعادت کا انحصار
مہتاب ہے فضائے شبِ تار میں یہی
بھرتا ہے رنگ صبح کے آثار میں یہی

مہکا ہوا اسی سے ہے گلزارِ زندگی   ہے علم ہی سے رونقِ بازارِ زندگی
ظاہر اسی سے ہوتے ہیں آثارِ زندگی   بے شک یہی ہے غازۂ رخسارِ زندگی
دلکش ہے دل نشیں ہے جمالِ حیات ہے
ہو چشمِ معرفت تو یہی عینِ ذات ہے

پیدا ہر اک صفت میں اسی کا جمال ہے   اس کے بغیر حق کا تصور محال ہے
قائم اسی سے نوعِ بشر کا کمال ہے   مسجود وہ جو آپ ہی اپنی مثال ہے
آدم میں جب ظہور ہوا اس کے نور کا
معیار بن گیا یہ ملک کے شعور کا

ہے علم ہی خدا کی قسم عزتِ عظیم　　ہے علم ہی سے معرفتِ خالقِ قدیم
ہے علم ہی چراغ سرِ راہِ مستقیم　　اس کے شرف کا کوئی نہیں دہر میں سہیم
جلوہ طرازِ عالمِ ایجاد بن گیا
آدمؑ کے انتخاب کی بنیاد بن گیا

تابندہ خالِ عارضِ لیلائے دیں ہے علم　　خاتم اگر ہے شرع تو اس کا نگیں ہے علم
روشن ہے جس سے چرخ وہ ماہِ مبیں ہے علم　　لا ریب اک خزانۂ دُرِّ ثمیں ہے علم
سلمائے معرفت کے لئے جلوہ گاہ ہے
اس پر ازل کی صبح سے حق کی نگاہ ہے

ہے لامکاں کے نور سے روشن مکانِ علم　　ہر شئے سے کائنات کی ظاہر ہے شانِ علم
گویا سنا رہی ہے ہمیں داستانِ علم　　دل علم کا نبیؐ ہیں علیؑ ہیں زبانِ علم
وابستہ ہے جو علم کلامِ مجید سے
افضل ہے روشنائی بھی خونِ شہید سے

چھلکا ہوا ہے ذات سے اس کی ہر اک سبو　　بھرتی ہے رنگ اس میں مشیت کی آرزو
اس کا جمال لوح و قلم کی ہے آبرو　　تخلیق ہے اسی کی ہر اک حرفِ گفتگو
دو حرف تھے وہ پھول جو گلزار ہو گئے
اک لفظ کُن سے آئینے تیار ہو گئے

دنیا ہے خواب، خواب کی تعبیر ہے یہی　　تفسیر ہر صحیفۂ تقدیر ہے یہی
جوشِ عمل میں جذبۂ تعمیر ہے یہی　　یہ سچ ہے گنجِ خوبیٔ تقدیر ہے یہی
قرطاس کے لئے چمنِ بے نظیر ہے
یہ ضامنِ حیات نوائے صریر ہے

پہچانتا ہے پیچ و خم رہگذر یہی
دیتا ہے سرد و گرم جہاں کی خبر یہی
کرتا ہے رونمائی عیب و ہنر یہی
ہے وجہِ امتیاز رخِ خیر و شر یہی
کفر و نفاق و جہل سے ہے کارزارِ علم
گرتی ہے شر پہ مثلِ شرر ذوالفقارِ علم

ہے ابتدا سے نازشِ نوعِ بشر یہی
گرمِ سفر ہے جادۂ ایجاد پر یہی
ہے کائنات کے لئے نورِ سحر یہی
ایماں کی جلوہ گاہ میں ہے جلوہ گر یہی
اس کے شرف کو صاحبِ منبر سے پوچھئے
ہے شہرِ علم کون یہ حیدرؑ سے پوچھئے

ہر ایک شئے ہے آئینۂ ذاتِ کردگار
ظاہر ہے جس سے مقصدِ تخلیقِ روزگار
ذرّے سے بھی ہے نور عیاں مثلِ کوہسار
ہے علم ہی پہ معرفتِ حق کا انحصار
انساں کی عقل حجتِ پروردگار ہے
ایمانِ غیب اس کے چمن کی بہار ہے

عالم میں اہلِ علم کا کوئی نہیں جواب
ہوتے رہے یہ حق کی نیابت سے فیضیاب
ممکن نہیں کہ ان کے فضائل کا ہو حساب
خالق سے راسخون کا ان کو ملا خطاب
بیٹھے ہوئے ہیں سائے میں ام الکتاب کے
ہیں یہ سفیر شاہِ ولایت مآب کے

ہے کون ان کے فضل و شرف میں کرے جو شک
قبضہ میں ان کے ملک ہے باطن کا آج تک
ان کے قدم کی خاک سے ہے زینتِ فلک
ہے سجدہ ریز سامنے ان کے ہر اک ملک
انسان ان کے فیض سے انسان بن گیا
جو ہو گیا حریف وہ شیطان بن گیا

فرماتے ہیں کمیلؒ سے مولائے کائنات　　مردہ ہیں سب ہیں صرف یہی صاحبِ حیات
بہتر ہزار راتوں سے ہے ان کی ایک رات　　ہے ان کی چشمِ نیک اثر آئینہ صفات

اسرارِ ما سوا کے یہی رازدار ہیں
ہے جن پہ حق کو ناز یہ وہ شاہکار ہیں

وارث ہیں انبیاء کے شرف کے یہ حق شعار　　ان کی زباں ہے مثلِ قلم تیغِ آبدار
ہیں غیبتِ امام میں بنیادِ روزگار　　راہِ عمل میں ہیں یہ ہدایت کے ذمہ دار

ادراک پر ہے سایہ امامِ مبین کا
شانوں پہ ان کے بوجھ ہے تہذیبِ دین کا

تقویٰ زرہ ہے ان کی کرم ان کی ہے سپر　　مرکب ہے زہد حسنِ عمل ان کی رہ گذر
قبضہ میں ان کے حلم کی ہے تیغِ شعلہ ور　　نیزہ ہے ان کا خوفِ خدا، ہے ورع تبر

شارع یہی ہیں مفتیِ اعلیٰ مقام ہیں
ان سے جو ہیں بلند نبیؐ یا امام ہیں

سر سبز ان کے نطق سے منطق کا ہے چمن　　حرفوں کی آبرو ہیں تو لفظوں کا بانکپن
آباد ہے انہیں سے معانی کی انجمن　　سینوں میں ان کے کوثرِ حکمت ہے موجزن

کافی پہ ہے عمل ہے خزانہ اصول کا
حجت ہے ان کو قولِ وصیِ رسولؐ کا

گو بابِ شہرِ علم کے ذروں میں ہے شمار　　ہم نامِ مرتضیٰ ہے کوئی ان میں حق شعار
سب ہیں مفید خلق رضی نفس و باوقار　　آدابِ مجلسی کے درخشندہ شاہکار

تابندہ اجتہاد سے ان کے ضمیر ہیں
دنیا میں یہ ولیِ خدا کے سفیر ہیں

ہو جب کہ نائبینِ ائمہ کا یہ مقام — کیا ہو گی سوچئے تو ذرا منزلِ امام
جبریل ان کے در کے ہیں ادنیٰ سے اک غلام — چلتا ہے بس انہیں کے اشارے پہ کل نظام

وابستہ ان سے رازِ الف لام میم ہے
جو نائب رسولؐ ہے نازِ کلیم ہے

ملتی نہیں ہے ان کے فضائل کی کوئی حد — ہر قول معتبر ہے تو ہر بات مستند
حق سے ملی ہے ان کو اولی الامر کی سند — کہتا ہے ان کے واسطے قرآں بہ شدّ و مد

کروبیوں کے کعبۂ تعظیم ہیں یہی
اور افتخار نسلِ براہیم ہیں یہی

نازاں ہیں ان کی ذات پہ قرآں کی آیتیں — محکم ہیں ساری مصحفِ ایماں کی آیتیں
جلوے ہیں ان کے وحدتِ یزداں کی آیتیں — نقشِ قدم ہیں منزلِ عرفاں کی آیتیں

مثلِ علیؑ یہ وارثِ ام الکتاب ہیں
احمدؐ ہیں شہرِ علم یہ سب اس کے باب ہیں

پیدا ہوئے انہیں کی بدولت یہ آسماں — سکے ہیں ان کے انجم و خورشید ضوفشاں
گوہر سے پُر ہے دامنِ دریائے بیکراں — موجوں کے دوش پر نظر آتی ہے کشتیاں

ہے دیدنی جمال جو بزمِ شہود کا
صدقہ یہ ہے امامِ زماں کے وجود کا

کرنا ہے مجھ کو مدحتِ عباسؑ باوفا — درکار تھی جو اس کے لئے کیف کی فضا
بیٹھا ہوں میں بھی آ کے سرِ کوثرِ ثنا — ہو جائے ساقیا مجھے اک جامِ مے عطا

وہ جام جس سے فکر کی جاری سبیل ہو
ہر موج جس کی مرضیِ ربِّ جلیل ہو

وہ مئے پلا جو نازشِ آبِ زلال ہے　　کعبہ میں جس کا بیٹھ کے پینا حلال ہے
جو رنگ و بو میں آپ ہی اپنی مثال ہے　　وابستہ جس سے اہلِ سخن کا کمال ہے

قطروں میں جس کے جوشِ ولائے امیر ہے
قربان جس پہ ساقیِ بزمِ غدیر ہے

ساغر میں کائنات کے وحدت کی ہے شراب　　مینا میں اہلِ بیتِ نبوت کی ہے شراب
مخمور جس سے قلب ہے الفت کی ہے شراب　　بھائے نہ کیوں یہ اجرِ رسالت کی ہے شراب

ہم کیا ہیں جبرئیل سے مئے خوار پیتے ہیں
عیسیٰ نفس بھی پی کے اسی مئے کو جیتے ہیں

آدم سے قبل نور کے دامن میں یہ چھنی　　ہر موج اس کی جلوۂ خیر البشر بنی
ملتی ہے بس اسی کو جو قسمت کا ہے دھنی　　مفلس کو یہ بناتی ہے اک گھونٹ میں غنی

کم ظرف تھا جو دیکھ کے مئے کو بہک گیا
سلماں نے پی تو ان کا مقدر چمک گیا

ہے ہر غلامِ حیدرِ کرار کی رفیق　　قنبر کی جان بوذر و عمار کی رفیق
سولی پہ تھی یہ میثمِ تمار کی رفیق　　کوثر مزاج لشکرِ جرار کی رفیق

چہرہ بحال کیوں نہ ہو فوجِ حسینؑ کا
ساقی ہے آج بھائی شہِ مشرقینؑ کا

وہ بھائی ہے جو نازشِ سلطانِ بحر و بر　　سقائے آلِ ساقیِ کوثر کا ہے پسر
ہاشم کا چاند عاشقِ شبیرؑ خوش سیر　　ہے جس کو اپنے مقصدِ تخلیق کی خبر

مانگا ہے اس کو رب سے علیؑ نے دعاؤں میں
پالا ہے اس کو ماں نے وفاؤں کی چھاؤں میں

آغوش میں جب آ گیا شیدا حسینؑ کا — خوں بن کے دوڑنے لگا جلوہ حسینؑ کا
اس درجہ دل میں عشق تھا آقا حسینؑ کا — دیکھا نگاہِ شوق سے چہرہ حسینؑ کا
فرزندِ مصطفیٰؐ کا جو دیدار ہو گیا
ہاشم کا چاند اور بھی ضوبار ہو گیا

تسبیحِ معرفت کا درخشاں درِ ثمیں — سر تا قدم جمالِ علیؑ مثلِ شاہِ دیں
یوسفؑ بھی جس پہ رشک کریں اس قدر حسیں — کہتا ہے ناز سے پسرِ فخرِ مرسلیں
ہاتھوں میں اس کے ملکِ وفا کا نظام ہے
یہ ہاشمی گھرانے کا ماہِ تمام ہے

کیجئے وضو تو لیجئے اس باوفا کا نام — ہر دل عزیز ہے خلفِ مرتضیٰؑ کا نام
مشہور کہکشانوں میں ہے مہ لقا کا نام — باقی ہے ان کے عہدِ وفا سے خدا کا نام
کعبہ ہیں گر حسینؑ تو یہ اس کے باب ہیں
فرزندِ مصطفیٰؐ دلِ عصمت مآب ہیں

سوئے علیؑ نبیؐ کے لئے فرشِ خواب پر — اور یہ فدا ہے جانِ رسالت مآب پر
نقشِ وفا ابھار دیا سطحِ آب پر — کندہ ہے اس کا نام شجاعت کے باب پر
یہ جانِ لافتیٰ ہے علیؑ انتخاب ہے
اس کا شباب شیرِ خدا کا شباب ہے

تفسیرِ عزمِ سبطِ پیمبرؐ بنے ہوئے — شمشیرِ آبدار کا جوہر بنے ہوئے
نقشِ قدم ہیں دین کا لنگر بنے ہوئے — بازو ہیں اس کے پرچمِ لشکر بنے ہوئے
ہو گئے قلم یہ مقصدِ شبیرؑ کے لئے
یعنی وفا کے قصر کی تعمیر کے لئے

عباسؑ صبر و شکر و شرافت کا نام ہے　　عصمت سے اتصالِ سیرت کا نام ہے
عباسؑ شیرِ حق کی جلالت کا نام ہے　　عباسؑ مرتضیٰؑ کی شجاعت کا نام ہے
عباسؑ نام آرزوئے مرتضیٰؑ کا ہے
عباسؑ نام نصرتِ دینِ خدا کا ہے

یہ نام نازشِ بشریت کا نام ہے　　اک نقطۂ کمالِ محبت کا نام ہے
مقصودِ زندگی کی نہایت کا نام ہے　　پروانۂ جمالِ امامت کا نام ہے
عباسؑ نام ہے شہِ دیں کے ثبات کا
دل اس کا آئینہ ہے حسینیؑ صفات کا

عباسؑ نازِ چشمِ اخوت کا نام ہے　　یعنی ادا شناسِ امامت کا نام ہے
عباسؑ قلبِ شاہ کی قوت کا نام ہے　　عباسؑ جلوہ گاہِ مشیت کا نام ہے
عباسؑ نام ہے شرفِ بے شمار کا
ہے مرکزِ نظر اسدِ کردگار کا

سمجھے گا کون عاشقِ سرورؑ کا مرتبہ　　اعلیٰ ہے ابنِ فاتحِ خیبر کا مرتبہ
پہلے سمجھ حسینؑ کے لشکر کا مرتبہ　　پھر دیکھ اس کے قائدِ اکبرؑ کا مرتبہ
جرأت میں نازِ فاتحِ بدر و حنین ہے
اس کے علم کے سائے میں فوجِ حسینؑ ہے

عباسؑ کا جہاد تھا کیا منفرد جہاد　　روحِ رسولؐ دیکھ کے ہوتی تھی جس کو شاد
لرزاں تھا اس کے سامنے ہر بانیٔ فساد　　دیتی تھی ضربِ تیغ پہ خندق کی ضرب داد
بپھرا ہوا جو فاتحِ خیبر کا شیر تھا
ہر اک قدم پہ دشت میں لاشوں کا ڈھیر تھا

ٹکڑے کیا ستم کے نشانِ بلند کو   دے دی شکست لشکرِ ایذا پسند کو
روکا فرات پر فرسِ درد مند کو   پینے کا اذن دے دیا پیاسے سمند کو

تھا باوفا کو عشق جو راکب کی ذات سے
اس نے بھی منہ پھرا لیا آبِ فرات سے

عباسؑ کے فرس کا شرف لا جواب ہے   خلقت میں ذوالجناح صفت انتخاب ہے
مثلِ براق اسپ بنِ بوتراب ہے   جو اس کی زد میں آ گیا خانہ خراب ہے

بڑھ بڑھ کے توڑتا ہے صفِ فوجِ شام کو
پیروں سے روندتا ہے عدوئے امام کو

تھا قلب میں خیال جو بچوں کی پیاس کا   جاری تھا اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سلسلا
راکب نے جھک کے نہر سے مشکیزہ بھر لیا   مرکب نے سوئے خیمۂ شبیرؑ رُخ کیا

اے با وفا کے اسپ وفادار مرحبا
اے کربلا کے پیاسوں کے غمخوار مرحبا

بچوں کی تشنگی سے جگر تھا فرس کا آب   ہر لحہ بڑھتا جاتا تھا غازی کا اضطراب
رُخ تھا جو سوئے خیمۂ شاہِ فلک جناب   کوشش یہ تھی کہ جلد پہنچ جائے مشکِ آب

راہِ رضا تھی اور فرسِ تیز گام تھا
صحرا کی تیز دھوپ میں وہ تشنہ کام تھا

مشکیزہ اپنے ساتھ لئے جا رہا تھا شیر   سرچشمۂ حیات لئے جا رہا تھا شیر
غل تھا کہ کائنات لئے جا رہا تھا شیر   میدان سے فرات لئے جا رہا تھا شیر

پہنچا قریب نخل تو تازہ ستم ہوا
تیغِ جفا سے داہنا شانہ قلم ہوا

ضربِ ہوائے ظلم سے لہرا گیا علم　　پھر ایک بار جھکتے ہی سیدھا ہوا علم
اس حال میں بھی اس نے نہ گرنے دیا علم　　بڑھتا رہا سنبھالے ہوئے باوفا علم
آتا تھا گر شقی کوئی غازی کی راہ میں
لیتا تھا اس کو بڑھ کے جہنم پناہ میں

شانے سے ہاتھ ہو گیا جب شیر کا قلم　　جلدی سے بائیں ہاتھ سے اونچا کیا علم
آگے بڑھا دلیر تو دہرا ہوا ستم　　وہ ہاتھ بھی قلم ہوا ٹھنڈا ہوا علم
دانتوں سے مشک داب کے حیدرؓ کے شیر نے
خیمے کی سمت گھوڑے کو ڈالا دلیر نے

بولا یہ راہوار سے حیدرؓ کا لالہ فام　　اپنے قدم کو جلد بڑھا اب سوئے خیام
پہنچا دے مشکِ آب سکینہؑ ہے تشنہ کام　　ڈر ہے کہ آ نہ جائیں شہ آسماں مقام
بہرِ مدد شبیہ پیمبرؐ کو بھیج دیں
ایسا نہ ہو کہیں علی اکبرؑ کو بھیج دیں

گھوڑے کو ایڑ دے کے بڑھا جب وہ باوفا　　تسمہ دبا تھا دانتوں میں پیاسوں کی مشک کا
منہ میں لئے شکار کو ہاں کوئی شیر تھا　　گھیرے تھے چار سمت سے سگے کو اشقیاء
بچ جائے مشک شیر نے کوشش ہزار کی
حسرت نکل سکی نہ دلِ بے قرار کی

ڈوبا ہوا لہو میں تھا ساقی تشنہ کام　　گرد اس کے بدلیاں تھیں ستم کی کہ فوجِ شام
ارماں یہ تھا کہ مشک پہنچ جائے تا خیام　　پیاسی ہے تین روز سے بنتِ شہ انام
شدت سے تشنگی کی سکینہؑ نڈھال ہے
دل میں لگی ہے آگ کہ جینا محال ہے

سردار فوج نے یہ صدا حملہ کو دی پہنچا اگر حسینؑ تک اک قطرہ آب بھی
بدلے گی ایک لمحہ میں تصویر جنگ کی ہر سمت رن میں خون نظر آئے گا ابھی

ہرگز نہ جیت پاؤ گے حیدرؑ کے شیر سے
بھر جائے گی زمین یہ لاشوں کے ڈھیر سے

رکھ کر کماں میں تیر، ستم آشنا بڑھا ہو کر رہا کمان سے تیرِ جفا چلا
مشکِ سکینہؑ چھد گئی ہے ہے غضب ہوا پانی کے ساتھ شیر کا ارمان بہہ گیا

اک آہِ سرد بھر کے ارادہ بدل دیا
ساحل کی سمت موڑ کے رہوار چل دیا

بکھرے ہوئے جو رن میں تھے لشکر سمٹ کے آئے پیہم یہی تھا شور کہ زندہ نہ بچ کے جائے
غازی نے تیر و نیزہ و خنجر کے زخم کھائے سر پر پڑا جو گرز تو پھر خون میں نہائے

سنبھلا گیا نہ گھوڑے پہ تیورا کے گر پڑا
تپتی ہوئی زمین پہ غش کھا کے گر پڑا

آئی ادھر حسینؑ کے کانوں میں یہ صدا رخصت غلام ہوتا ہے یا شاہِ کربلا
میرا سلام لیجیے فرزندِ مصطفیٰ سینہ میں دم الجھتا ہے اے جانِ مرتضیٰؑ

اوجھل ہوئی نگاہ سے صورت امید کی
آنکھوں میں روح آ گئی مشتاق دید کی

اٹھے حسینؑ ہاتھوں سے تھامے ہوئے کمر ہمراہ شہ کے ساتھ چلا نوجواں پسر
ہونٹوں پہ آہ آنکھیں تھیں اشکوں سے تر بتر جن و بشر تھے حالِ شہِ دیں پہ نوحہ گر

دستِ بریدہ شاہ نے دیکھے جو راہ میں
پرچم کشا کی پھر گئی صورت نگاہ میں

عباسؑ نامور کے سرہانے جو پہنچے شاہ　　فرطِ الم سے اور بھی حالت ہوئی تباہ
زخموں سے چور چور تھا ام البنین کا ماہ　　زانو پہ سر جو بھائی کا رکھا تو کی اک آہ
قطرے لہو کے روئے علمدار پہ گرے
بھائی کے اشک بھائی کے رخسار پر گرے

آیا جو غش سے ہوش میں غازیٔ ذی وقار　　زانوئے شہ سے سر کو ہٹایا بہ اضطرار
جلتی زمیں پہ رکھ دیا سر ہو کے بے قرار　　شہ بولے حال کیا ہے کہو میرے غم گسار
زانو سے سر ہٹانے کا بھائی سبب ہے کیا
کڑھتا ہے دل سناؤ تو رنج و تعب ہے کیا

عباسؑ نے تڑپ کے کہا اے شہ انام　　آقا پہ جان دے کے ہوا سرخرو غلام
میں جیتے جی نہ کر سکا پانی کا انتظام　　شرمندہ ہوں میں پیاسی سکینہؑ سے یاامام
گر میری لاش خیمۂ اقدس میں جائیگی
پیاسوں کے بین سُن کے مجھے شرم آئیگی

بخشی ہمیشہ آپ نے نظروں کو آبرو　　سینے میں ہے زیارتِ مولا کی آرزو
محرومِ دید پھر بھی ہوں، ہوں گرچہ روبرو　　ہے تیر ایک آنکھ میں، اک آنکھ میں لہو
دستِ کرم نہ ہو جو مددگار آپ کا
مر جائے گا یہ تشنۂ دیدار آپ کا

پونچھا لہو جو شاہ نے بھائی کی آنکھ کا　　دشوار مرحلہ جو تھا آسان ہو گیا
تھا سامنے نظر کے رُخِ سبطِ مصطفیؐ　　خوش ہو کے مسکرا دیے عباسِ باوفا
دل کو ملا سکون الم دور ہو گئے
مقتل کی گرم ریت پہ عباسؑ سو گئے

پیاسوں کی تھی جو آس وہ سقّا گذر گیا
جو فاتحِ فرات تھا پیاسا گذر گیا
بہنوں کے دل کا تھا جو سہارا گذر گیا
ایسا دلِ حسینؑ پہ صدمہ گذر گیا
فرطِ الم سے سانس بھی رُک رُک کے رہ گئی
غم کا گرا پہاڑ کمر جھک کے رہ گئی

مضطر اٹھایا شہ نے جو عباسؑ کا علم
تھرّائے ہاتھ زور ہوا بازوں کا کم
جنبش میں تھی زمین کہ اٹھتے نہ تھے قدم
تھے مضطرب حسینؑ سرِ وادیٔ الم
چاروں طرف جو ابرِ غم و یاس چھا گیا
بے ساختہ زبان پہ عباسؑ آ گیا